اسلامی سیاسی نظریہ اور سیکولر فکر کے باہمی تعلقات: مفاہمت، تصادم اور معاصر علماء کی آراء کے تناظر میں تطبیقی جائزہ

The Interrelationship between Islamic Political Theory and Secular Thought: A Comparative Review in the Context of Understanding, Conflict, and the Opinions of Contemporary Scholars

Tasawor Ali
PhD Scholar,
Chaudhry Abdul Khaliq Center for Contemporary Islamic Sciences,
(CAKCCIS), Department of Islamic Studies, Superior University, Lahore
Email: hafiztasaworalikhanum@gmail.com
Dr Hafiz M Mudassar Shafique (Corresponding Author)
Assistant Professor,
Chaudhry Abdul Khaliq Center for Contemporary Islamic Sciences,
(CAKCCIS), Department of Islamic Studies, Superior University, Lahore
Email: mudassar.shafique@superior.edu.pk

Abstract
The relationship between Islamic political thought and secularism constitutes one of the most critical debates in the contemporary Muslim world. Historically, Islamic governance has integrated religious authority with statecraft, grounded in the Qur'an and Sunnah, emphasizing divine sovereignty (Hakimiyyah) and communal welfare (Maslahah). Conversely, secularism advocates for the structural decoupling of religious institutions from the state to safeguard pluralism and individual autonomy. This study employs a qualitative, comparative approach to analyze whether these distinct paradigms offer a pathway for reconciliation or present an inherent conflict. By examining classical jurisprudence alongside modern political philosophy, the research highlights a fundamental epistemological divergence regarding the locus of sovereignty—divine versus popular. However, the analysis suggests that while complete philosophical harmonization is challenging due to these ontological differences, functional compatibility is attainable in areas such as procedural justice, accountability, and the rule of law. The study concludes that sustainable governance in Muslim societies requires a model that upholds Islamic ethical foundations while accommodating modern institutional mechanisms, rather than a wholesale adoption of Western secularism or a retreat into rigid theocracy.

Keywords: Islamic Political Thought, Secularism, Divine Sovereignty, Shariah Governance

اسلامی سیاسی فکر اور سیکولرزم کا باہمی تعلق عصرِ حاضر کی علمی و فکری دنیا میں بلاشبہ سب سے زیادہ زیرِ بحث، حساس اور پیچیدہ موضوعات میں شمار ہوتا ہے۔ یہ محض دو سیاسی نظاموں کا ٹکراؤ نہیں، بلکہ درحقیقت یہ دو مختلف تہذیبوں اور کائنات کو دیکھنے کے دو متضاد زاویوں کی کشمکش ہے۔ ایک طرف اسلام ہے جو محض چند عبادات کا نام نہیں، بلکہ بطورِ دین، حیاتِ انسانی کے تمام شعبہ جات خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی کو الٰہی ہدایت کے تحت منضبط کرنے کا داعی ہے۔ اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ انسان اپنی ذات میں خودمختار نہیں بلکہ خالق کا نائب ہے، لہٰذا اس کی سیاست، معیشت اور معاشرت خدا کی مرضی کے تابع ہونی چاہیے۔ تو دوسری جانب جدیدیت کا علمبردار "سیکولرزم" ہے، جو مذہب اور ریاست کے باہمی تعلق کی نفی کرتے ہوئے سیاست کو ایک خودمختار انسانی دائرہ سمجھتا ہے۔ سیکولر فکر کے مطابق ریاست کا نظم و نسق آسمانی ہدایت کی بجائے انسانی عقل، تجربے اور سماجی معاہدے کی بنیاد پر ہونا چاہیے۔ اس فکری تصادم نے مسلم دنیا میں ایک ہمہ گیر فکری، نظریاتی اور عملی کشمکش کو جنم دیا ہے، جس کے اثرات آج مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک ہر مسلم معاشرے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ کشمکش محض کتابی نہیں ہے بلکہ یہ مسلم ممالک کے عدالتی نظاموں، پارلیمان کی قانون سازی اور تعلیمی نصاب میں ایک واضح "دوچتی" (Dichotomy) کی صورت میں موجود ہے، جہاں ایک طرف شریعت کے تقاضے ہیں اور دوسری طرف جدید ریاست کے بین الاقوامی وعدے۔ تحقیق کا بنیادی سوال یہ ہے کہ آیا اسلامی سیاسی فکر اور سیکولرزم کے مابین کوئی مفاہمت ممکن ہے یا یہ دونوں نظریات اپنی اساس میں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ اس مطالعے کا مقصد اس سوال کی تاریخی، فکری اور نظری بنیادوں کا تجزیہ کرنا ہے۔

مسئلے کا پس منظر

اس مسئلے کی جڑیں تاریخ میں بہت گہری ہیں اور ان کا براہِ راست تعلق نوآبادیاتی دور (Colonial Era) سے ہے۔ مسلمان معاشروں میں جدید قومی ریاست (Nation-State)، جمہوریت، انسانی حقوق، اور قانون کی بالادستی جیسے تصورات کی بحث عموماً سیکولر تناظر میں کی جاتی ہے، کیونکہ یہ ادارے مغرب سے درآمد شدہ ہیں۔ نوآبادیاتی دور میں استعماری طاقتوں نے مسلم ممالک کے روایتی تعلیمی اور عدالتی نظام کو ختم کرکے وہاں یورپی ماڈلز نافذ کیے۔ جب یہ ممالک آزاد ہوئے تو وہاں ایک ایسا طبقہ حکمران بنا جو ذہنی طور پر سیکولر اور ثقافتی طور پر مسلمان تھا۔ اس

صورتحال نے ایک مستقل بحران کو جنم دیا کہ ریاست کا "آئینی مذہب" کیا ہو؟ کیا پاکستان، مصر یا ترکی جیسے ممالک اپنی شناخت قرونِ اولیٰ کے اسلام میں تلاش کریں یا اکیسویں صدی کے مغربی لبرل ازم میں؟

تحقیق کی اہمیت

اس موضوع کی اہمیت دوہری ہے۔ علمی لحاظ سے یہ اس لیے اہم ہے کہ یہ سیاسیات اور الہیات (Theology) کے سنگم پر کھڑا ہے۔ عملی لحاظ سے یہ اس لیے اہم ہے کہ آج مسلم دنیا کا کوئی بھی ملک اس الجھن سے آزاد نہیں۔ انتہاپسندی کے بڑھتے ہوئے رجحانات اور دوسری طرف مذہب بیزاری کی لہر، دونوں اسی فکری خلا کا نتیجہ ہیں۔ یہ تحقیق اس لیے ضروری ہے تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ آیا ہم اپنے دینی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے جدید دنیا کے ساتھ چل سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ کاوش ان علمی غلط فہمیوں کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوگی جو اسلام کو جدیدیت کا دشمن یا سیکولرزم کو محض لادینیت سمجھنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

طریقۂ کار

یہ تحقیق بنیادی طور پر ادبی و نظری مطالعہ (Qualitative Study) پر مبنی ہے، جس میں اسلامی مصادرِ فکر (قرآن، سنت، فقہ، اور معاصر اسلامی مفکرین کی آراء) کے ساتھ ساتھ مغربی فلسفہ و سیاسیات کی کلاسیکی اور جدید تحریروں کو ماخذ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ تجزیے کے لیے تاریخی و تقابلی طریقِ کار اپنایا گیا ہے۔

اسلامی سیاسی فکر کا ارتقائی جائزہ

اسلامی سیاسی فکر کوئی جامد شے نہیں بلکہ یہ صدیوں کے علمی سفر، اجتہاد اور تجربات کا نچوڑ ہے۔ اس نظام کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں حکمران کی اطاعت اندھی نہیں ہوتی بلکہ "قانون" (شریعت) کی پاسداری سے مشروط ہوتی ہے۔

الف) خلافت و امامت کا تصور

اسلامی سیاسی فکر کی بنیاد "تصورِ خلافت" پر قائم ہے، جو دراصل زمین پر اللہ کی حاکمیت (Sovereignty of God) کے عملی اظہار کا ذریعہ ہے۔ سیکولر جمہوریت کے برعکس، جہاں اقتدار کا سرچشمہ عوام سمجھے جاتے ہیں، اسلام میں اصل حاکم اللہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً"[1]

"میں زمین میں ایک نائب بنانے والا ہوں"۔

اس آیت کی بنیاد پر اسلامی مفکرین نے استدلال کیا کہ حاکمیتِ مطلق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، اور ریاستی اقتدار اس کی امانت کے طور پر انسانوں کو تفویض کیا گیا ہے۔ یعنی انسان زمین کا "مالک" نہیں بلکہ "امین" ہے۔ اس تصور کو فقہاء نے "استخلاف" کا نام دیا، جس کا مطلب ہے کہ انسان کو اختیار تو حاصل ہے لیکن یہ اختیار مشروط ہے۔ مولانا مودودی اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں پارلیمنٹ یا بادشاہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر سکے۔ وہ لکھتے ہیں:

"اسلامی ریاست میں حاکمیتِ اعلیٰ (Sovereignty) اللہ کے لیے ہے، اور خلافت (Vicegerency) مسلمانوں کی جماعت کے لیے۔"[2]

ب) فقہِ سیاسیہ کی بنیادیں

جب اسلامی ریاست وسعت اختیار کر گئی اور نئے تہذیبی چیلنجز سامنے آئے تو فقہائے اسلام نے حکمرانی کے تفصیلی اصول مرتب کیے۔ اس ضمن میں عباسی دور کے مشہور فقیہ امام ابو الحسن الماوردی (م 1058ء) کی تصنیف الاحکام السلطانیہ ایک بنیادی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ اسلامی ریاست کا وجود محض ٹیکس اکٹھا کرنے یا سرحدوں کی حفاظت کے لیے نہیں ہے، بلکہ اس کا ایک اعلیٰ اخلاقی مقصد ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"الإِمَامَةُ مَوْضُوعَةٌ لِخِلَافَةِ النُّبُوَّةِ فِي حِرَاسَةِ الدِّينِ وَسِيَاسَةِ الدُّنْيَا"[3]

"امامت نبوت کی جانشینی میں قائم کی گئی ہے تاکہ دین کی حفاظت کی جائے اور دنیا کا انتظام چلایا جائے"۔

ماوردی کی اس تعریف میں دو الفاظ کلیدی ہیں: حراستہ الدین (دین کا تحفظ) اور سیاستہ الدنیا (دنیاوی نظم و نسق)۔ یہ دونوں مقاصد لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی ایسی ریاست جو معاشی ترقی تو کرے لیکن اخلاقی اقدار کو پامال کر دے، وہ اسلامی معیار پر پوری نہیں اترتی۔ اسی طرح ابن خلدون نے بھی اپنے "مقدمہ" میں لکھا ہے کہ:

"خلافت کا مقصد لوگوں کو دنیا اور آخرت دونوں کے مصالح (فوائد) پہنچانا ہے"۔[4]

ج) جدید دور میں اسلامی ریاست کا نظریہ

نو آبادیاتی دور کے خاتمے کے بعد، بیسویں صدی میں اسلامی ریاست کے تصور نے ایک نئی کروٹ لی۔ جدید قومی ریاست (Nation-State) کے قیام کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا "شرعی قانون" کو "پارلیمانی قانون" میں ڈھالا جا سکتا ہے؟ علامہ محمد اقبال، سید قطب، اور حسن الترابی جیسے مفکرین نے اس بحث میں اہم کردار ادا کیا۔ ان کا استدلال تھا کہ مغرب نے چرچ کے جبر سے بچنے کے لیے مذہب کو سیاست سے الگ کیا، لیکن اسلام میں کوئی "چرچ" (Priesthood) نہیں ہے، لہٰذا یہاں مذہب اور سیاست کی علیحدگی کی ضرورت ہی نہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

نے اپنے خطبات میں واشگاف الفاظ میں کہا کہ اسلام میں مادیت اور روحانیت دو الگ خانوں میں تقسیم نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

"ریاست دراصل روحانیت ہی کا ایک عملی اظہار ہے"۔[5]

سیکولرزم کا تاریخی و فکری پس منظر

سیکولرزم کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ مغرب کی تاریخ کے ان کربناک ادوار کا مطالعہ کیا جائے جنہوں نے انسان کو آسمان سے زمین کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔ یہ محض خدا کا انکار نہیں تھا، بلکہ یہ ایک متبادل نظام کی تلاش تھی۔

الف) مغرب میں مذہب و سیاست کی علیحدگی کی وجوہات

سیکولرزم (Secularism) کی جڑیں یورپ کی خونی مذہبی جنگوں، خاص طور پر "تیس سالہ جنگ" (Thirty Years' War - 1618-1648) میں پیوست ہیں۔ اس دور میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں نے ایک دوسرے کا اس قدر قتلِ عام کیا کہ یورپ کی ایک تہائی آبادی ختم ہو گئی۔ اس تباہی کے بعد "صلحِ ویسٹ فیلیا" (Treaty of Westphalia) طے پائی، جس نے جدید قومی ریاست کی بنیاد رکھی اور یہ اصول طے کیا کہ مذہب اب ریاست کا نہیں بلکہ فرد کا معاملہ ہو گا۔ اس تحریک کا مقصد مذہبی اتھارٹی کو سیاسی طاقت سے محروم کرنا تھا تاکہ مستقبل میں عقیدے کے نام پر جنگیں نہ ہوں، اور انسانی عقل و تجربے کو سیاسی و سماجی نظم کی بنیاد بنایا جا سکے۔

ب) فلسفیانہ بنیادیں (Locke, Rousseau, Voltaire)

اس تبدیلی کو فکری جواز فراہم کرنے کے لیے جان لاک (John Locke)، روسو (Jean-Jacques Rousseau)، اور والٹیئر (Voltaire) جیسے فلسفیوں نے قلم اٹھایا۔ انہوں نے "سماجی معاہدے" (Social Contract) کا نظریہ پیش کیا، جس کے مطابق حکومت کا جواز خدا کی طرف سے نہیں بلکہ "عوام کی رضا" (Consent of the governed) سے ملتا ہے۔ جان لاک (John Locke) نے اپنے مشہور "خط بابت رواداری" (A Letter Concerning Toleration) میں ریاست اور مذہب کی حدود کا تعین کرتے ہوئے لکھا:

"The care of souls cannot belong to the civil magistrate, because his power consists only in outward force; but true and saving religion consists in the inward persuasion of the mind[6]".

"روحوں کی نگہبانی سول مجسٹریٹ (حکمران) کا کام نہیں ہو سکتی، کیونکہ اس کی طاقت کا انحصار صرف بیرونی جبر پر ہے؛ جبکہ حقیقی اور نجات دہندہ مذہب کا انحصار ذہن کے اندرونی یقین پر ہے"۔

یہ جملہ جدید سیکولرزم کی بنیاد ہے، جس کا مطلب ہے کہ ریاست کا کام صرف جان، مال اور آزادی (Life, Liberty, Property) کا تحفظ ہے، جنت میں لے جانا اس کی ذمہ داری نہیں۔

ج) جدید سیکولر ریاست کے اصول

مغربی فکر کے ارتقاء نے جدید سیکولر ریاست کو تین بنیادی اصولوں پر کھڑا کیا ہے:

- مذہب و سیاست کی علیحدگی: ریاستی ادارے کسی بھی مذہبی پیشوا کے حکم کے پابند نہیں ہوں گے۔
- قانون کی بالادستی بطور انسانی تخلیق: قانون وہ ہے جو پارلیمنٹ بنائے، چاہے وہ مذہبی احکامات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو (بشرطیکہ اکثریت راضی ہو)۔
- شہریت میں مذہبی امتیاز کی نفی: ریاست کے لیے عقیدہ غیر متعلقہ شے ہے؛ تمام شہری برابر ہیں۔

مشہور فلسفی چارلس ٹیلر (Charles Taylor) اپنی کتاب A Secular Age میں لکھتے ہیں کہ سیکولرزم نے دنیا کو دیکھنے کا زاویہ بدل دیا ہے۔ اب انسان کائنات کو "مقدس" (Sacred) نہیں سمجھتا بلکہ اسے ایک "سیکولر" مادی ڈھانچہ سمجھتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"Belief in God is no longer axiomatic. There are alternatives[7]".

"خدا پر یقین اب کوئی طے شدہ یا ناگزیر حقیقت نہیں رہی۔ اب اس کے متبادل موجود ہیں"۔

اس تاریخی اور فکری سفر کا اگر مختصر تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلامی سیاسی فکر اور سیکولرزم کا ٹکراؤ محض سطحِ آب پر نہیں ہے، بلکہ یہ تہہ میں موجود "منبعِ علم" کا اختلاف ہے۔ اسلام جس سیاسی ڈھانچے کی بات کرتا ہے اس کا مرکز "خدا کی رضا" ہے، جبکہ سیکولرزم جس ڈھانچے کو تشکیل دیتا ہے اس کا مرکز "انسان کی خواہش" اور "مادی فلاح" ہے۔ مغرب میں سیکولرزم ایک تاریخی ضرورت کے تحت پیدا ہوا کیونکہ وہاں چرچ عقل اور سائنس کا دشمن بن چکا تھا، جبکہ اسلامی تاریخ میں علماء اور سائنسدانوں کا ایسا کوئی ٹکراؤ نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسلم ممالک میں سیکولرزم کو نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو اسے وہ عوامی قبولیت حاصل نہ ہو سکی جو مغرب میں ہوئی، اور یہ ایک اجنبی پودا ہی رہا۔ یہ بنیادی فرق ہی آج کے تمام سیاسی تنازعات کی جڑ ہے۔

فکری تقابل، بنیادی تصورات اور معاصر مفکرین کی آراء

اس حصہ میں اسلام اور سیکولرزم کے درمیان موجود فکری اور نظریاتی خلیج کا جائزہ لیا جائے گا۔ یہ بحث محض انتظامی ڈھانچے کی نہیں بلکہ "حقیقتِ مطلقہ" کے ادراک کی ہے۔

الف) مذہب اور سیاست کے تعلق پر اسلامی نقطہ نظر

اسلام میں "دین" اور "دنیا" کے درمیان سرے سے کوئی دوئی (Dualism) نہیں پائی جاتی۔ عیسائیت کے برعکس، جہاں "جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو" کا اصول رائج رہا، اسلام نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں: عقیدہ، عبادت، اخلاق، معیشت، اور سیاست کو ایک "نامیاتی وحدت" (Organic Unity) میں منسلک کیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ"[8]

"حکم اور حاکمیت صرف اللہ کے لیے ہے؛ اسی نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو"۔

رسول اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں جو ریاست قائم کی، وہ محض کوئی روحانی خانقاہ یا اخلاقی درسگاہ نہیں تھی، بلکہ وہ ایک بھرپور "عملی سیاسی نظم" تھی

جس میں قانون سازی، عدلیہ، ٹیکس کا نظام (زکوٰۃ و جزیہ)، اور خارجہ تعلقات سب شامل تھے۔[9]

اسلامی سیاسی فکر کے مطابق ریاست کا مقصد محض امن و امان نہیں بلکہ "اقامتِ دین، عدلِ اجتماعی، اور حقوقِ انسانی کی ضمانت" فراہم کرنا ہے۔ یہ تصور بنیادی طور پر "الٰہی حاکمیت" (Divine Sovereignty) پر مبنی ہے، جس میں قانون سازی کا حتمی حق صرف اللہ کو حاصل ہے، انسان اس کے تابع اور مجری (Executor) کے طور پر کام کرتا ہے۔[10] چنانچہ اسلامی فکر میں ریاست کی حیثیت مقصد نہیں بلکہ وسیلہ ہے۔ ایک ایسا وسیلہ جس کے ذریعے عدل اور الٰہی اخلاقیات کا نفاذ ممکن ہو سکے۔

ب) سیکولرزم میں مذہب کی حیثیت

اس کے برعکس، سیکولر فکر مذہب کو ایک ذاتی، نجی اور وجدانی دائرے تک محدود کر دیتا ہے۔ جدید سیکولر ریاست میں مذہب فرد کا ذاتی عقیدہ تو ہے، لیکن ریاستی قانون، تعلیمی نظام، اور عوامی پالیسی میں اس کی کوئی بالادستی (Supremacy) تسلیم نہیں کی جاتی۔ سیکولرزم کا مرکزی فلسفہ "انسان پرستی" (Anthropocentrism) ہے، جس کا مرکز خدا نہیں بلکہ انسان ہے۔ مشہور سیکولر مفکر چارلس ٹیلر (Charles Taylor) لکھتے ہیں کہ سیکولرزم نے دنیا کو "جادوئی اثرات" (Disenchantment) سے پاک کر دیا ہے اور اب اخلاقیات کا ماخذ وحی نہیں بلکہ انسانی عقل ہے۔

"The secular age is one in which the eclipse of all goals beyond human flourishing becomes conceivable[11]".

"سیکولر عہد وہ ہے جس میں انسانی فلاح و بہبود کے علاوہ دیگر تمام ماورائی مقاصد کا گرہن قابلِ فہم ہو جاتا ہے"۔

یہی وہ بنیادی نکتہ ہے جہاں اسلامی اور سیکولر فکر کے درمیان ایک جوہری تضاد پیدا ہوتا ہے: اسلام میں "حق" خدا کی طرف سے طے ہوتا ہے، جب کہ سیکولرزم میں "حق" انسانی اتفاقِ رائے یا سماجی معاہدے کا نتیجہ ہے۔

ج) آزادی، مساوات، اور قانون کی بالادستی

اسلام اور سیکولرزم دونوں بظاہر ایک ہی جیسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں (جیسے آزادی اور عدل)، لیکن ان کے مفاہیم اور ماخذات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ذیل کا تقابلی جائزہ اس فرق کو واضح کرتا ہے:

تصور	اسلامی تعبیر	سیکولر تعبیر
آزادی	انسان کو بندگیِ خدا میں حقیقی آزادی حاصل ہے۔ آزادی کی حد "شریعت" ہے، انسان اپنی خواہش کا غلام نہیں بن سکتا۔[12]	انسان خود مختار ہے اور خود قانون ساز ہے۔ مذہب یا خدا کی کوئی پابندی نہیں، سوائے اس کے کہ دوسرے کو نقصان نہ پہنچے۔
مساوات	تمام انسان خدا کے سامنے برابر ہیں، کالے کو گورے پر فوقیت نہیں، مگر "تقویٰ" معیارِ فضیلت ہے۔	تمام شہری قانونی طور پر برابر ہیں، چاہے وہ متقی ہوں یا فاسق۔ مذہب یا اخلاق کی بنیاد پر کوئی قانونی فرق نہیں۔
قانون کی بالادستی	قانون سے مراد "شریعت" ہے۔ حکمران اور عوام سب اللہ کے قانون کے آگے جوابدہ ہیں۔	قانون سے مراد "انسانی پارلیمنٹ کا ایکٹ" ہے۔ قانون انسانی عقل اور اکثریت کی رائے کا نتیجہ ہے، جسے بدلا جاسکتا ہے۔

مندرجہ بالا سے واضح ہوتا ہے کہ اگرچہ دونوں نظام عدل و آزادی کی بات کرتے ہیں، مگر ان کے ماخذاتِ اقدار مختلف ہیں۔

اسلامی سیاسی فکر میں سیکولر عناصر کی ممکنہ گنجائش؟

ایک اہم سوال یہ ہے کہ کیا اسلامی نظامِ سیاست میں کچھ ایسے عناصر موجود ہیں جو جدید جمہوریت یا سیکولرزم سے ہم آہنگ ہو سکیں؟

شوریٰ اور عوامی رائے

اسلامی سیاسی نظام میں "شوریٰ" (Consultation) کو بنیادی اصول کی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ"[13]

"اور ان کے معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں"۔

شوریٰ کا اصول کسی حد تک سیکولر جمہوریت سے مشابہ دکھائی دیتا ہے، کیونکہ دونوں میں عوامی رائے اور مشاورت کی قدر تسلیم کی جاتی ہے۔ تاہم، ایک باریک فرق موجود ہے۔ سیکولر جمہوریت میں اکثریت کی رائے "حتمی" ہوتی ہے (چاہے وہ غلط ہی کیوں نہ ہو)، جبکہ اسلامی تناظر میں شوریٰ ایک اخلاقی فریضہ ہے جو حاکمیتِ الٰہیہ کے تابع ہے۔یعنی شوریٰ کے ذریعے شراب کو حلال نہیں کیا جاسکتا۔[14]

عدل اور انسانی حقوق

اسلامی عدل کا تصور محض قانونی انصاف نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت اخلاقی و سماجی توازن ہے۔ سیکولر قانون میں عدل کی تعریف "انسانی معاہدوں" پر مبنی ہے، جبکہ اسلام میں عدل "امر الٰہی" کا تقاضا ہے۔اسی طرح "انسانی حقوق" کا تصور مغرب میں "فطری حقوق" (Natural Rights) سے اخذ ہوا، جبکہ اسلام میں یہ "حقوق اللہ و حقوق العباد" کے جامع تصور سے وابستہ ہے۔ اسلام حقوق کے ساتھ "فرائض" پر زیادہ زور دیتا ہے۔

معاصر اسلامی مفکرین کی آراء

بیسویں صدی میں جب مغربی افکار کی یلغار ہوئی تو مسلم مفکرین نے اسلام اور سیکولرزم کے تعلق پر گہرے مباحث کیے۔ چند اہم مفکرین کی آراء درج ذیل ہیں:

سید ابوالاعلیٰ مودودی

مولانا مودودی نے سیکولرزم کو "زندگی کے اسلامی تصور سے براہِ راست متصادم" قرار دیا۔ ان کے نزدیک ریاست کا واحد مقصد اللہ کی حاکمیت کو عملی شکل دینا ہے۔ وہ اپنی کتاب اسلامی ریاست میں لکھتے ہیں:

"اسلام میں حاکمیتِ اعلیٰ (Sovereignty) اللہ تعالیٰ کی ہے، انسان محض نائب ہے۔ لہٰذا جو ریاست اس اصول سے انحراف کرے، وہ اسلامی نہیں کہلا سکتی۔"[15]

انہوں نے جدید جمہوریت کے جواب میں "تھیو ڈیموکریسی" (Theo-Democracy) یا "الٰہی جمہوری حکومت" کا تصور پیش کیا: ایک ایسا نظام جو نہ تھیوکریسی (پادریوں کی حکومت) ہے اور نہ لادین مغربی جمہوریت، بلکہ خدا کی حاکمیت کے دائرے میں عوامی مشاورت پر مبنی ہے۔

علامہ محمد اقبال

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کے نزدیک مغربی سیکولرزم کا سب سے بڑا المیہ یہ تھا کہ اس نے سیاست سے روحانیت کو نکال دیا۔ ان کا مشہور شعر ہے:

"جلالِ بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ "اسلام ایک ایسا فکری نظام ہے جو مذہب اور ریاست، اخلاق اور سیاست، روحانیت اور مادیت کو یکجا کرتا ہے۔"[16]

انہوں نے "اجتہاد" کو اسلامی ریاست کی روح قرار دیا اور کہا کہ پارلیمنٹ کے ذریعے اجتہاد کر کے اسلام کو جدید دور کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر علی شریعتی

ایرانی مفکر ڈاکٹر علی شریعتی نے ایک انقلابی نقطہ نظر اپنایا۔ انہوں نے سیکولرزم کے بعض اصولوں، مثلاً سماجی انصاف اور انسانی آزادی کو اسلامی جدوجہد کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان کے نزدیک بھی مغربی سیکولرزم کا خدا سے منقطع ہونا، انسانی روح کی محرومی کا سبب بنا۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"اسلام کا مقصد انسان کو "زر، زور اور تزویر" (دولت، طاقت اور مذہب کے نام پر دھوکہ) سے نجات دلانا ہے"۔[17]

ڈاکٹر حسن الترابی

سوڈانی مفکر حسن الترابی نے جدید ریاستی اداروں کے اندر اسلامی اصولوں کو بروئے کار لانے کی وکالت کی۔ ان کے نزدیک اسلام کو جدید سیاست سے ہم آہنگ کرنے کے لیے فقہی جزئیات کی بجائے "مقاصدِ شریعت" کو محور بنانا چاہیے۔ ان کا استدلال تھا کہ:

"اگر ریاست عدل، شوریٰ اور آزادی پر قائم ہو تو اسلام اور جدیدیت میں تصادم محض تاریخی ہے، فکری نہیں"۔[18]

اس تمام بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ اسلامی سیاسی فکر اور سیکولرزم کے درمیان مکمل فکری تطابق ممکن نہیں ہے کیونکہ دونوں کے وجودی اور معرفتی ماخذ مختلف ہیں۔ ایک کا مرکز خدا ہے، دوسرے کا مرکز انسان۔ البتہ، عملی پہلوؤں مثلاً حکمرانوں کا احتساب، ادارہ جاتی شفافیت، مشاورت، قانون کی مساوی اطلاقیت، اور بنیادی شہری حقوق میں جزوی مفاہمت اور اشتراک ممکن ہے، بشرطِ یہ کہ یہ اصول اسلام کی اخلاقی و الٰہی اساس سے منقطع نہ ہوں اور حاکمیتِ اعلیٰ کا حقدار اللہ ہی کو سمجھا جائے۔

مفاہمت یا تضاد؟ ایک تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ

اس حصے میں اس بنیادی سوال کا تجزیہ کیا جائے گا کہ آیا اسلام اور سیکولرزم کے مابین مفاہمت کی کوئی گنجائش موجود ہے یا یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں؟ یہ بحث محض لفظی نہیں بلکہ اس کے گہرے اطلاقی اثرات ہیں۔

الف) بنیادی فکری تضادات: حاکمیت کا بحران

اسلامی سیاسی فکر اور سیکولرزم کے درمیان مفاہمت کی بحث میں سب سے نمایاں، بلکہ جوہری مسئلہ "حاکمیت" (Sovereignty) کے تصور کا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں دونوں کے راستے جدا ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے:

"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ"[19]

"حکم اور فیصلہ کرنے کا اختیار صرف اللہ کا ہے"۔

اس تصور کے تحت ریاست کا وجود اور اقتدار ایک "الٰہی امانت" ہے، جو صرف خدا کے نازل کردہ قانون (شریعت) کے دائرہ کار میں رہتے ہوئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہاں قانون پارلیمنٹ کی تخلیق نہیں ہوتا بلکہ قانون پہلے سے موجود ہوتا ہے، پارلیمنٹ صرف اس کی تشریح اور نفاذ کی ذمہ دار ہوتی ہے۔[20]

اس کے برعکس، جدید سیاسی لبرل ازم اور سیکولرزم میں حاکمیت انسان یا عوام کو منتقل ہو جاتی ہے، جسے Popular Sovereignty کہا جاتا ہے۔ جان رالز (John Rawls) کے مطابق:

" جدید ریاست میں انصاف کا تصور کسی ماورائی حقیقت پر نہیں بلکہ شہریوں کے درمیان ایک "سیاسی معاہدے" پر استوار ہوتا ہے"۔[21]

یہاں اصل تضاد یہ ہے کہ اسلام میں قانون ماورائے انسان ہے اور ابدی صداقت رکھتا ہے، جب کہ سیکولرزم میں قانون انسان کے اندر سے پیدا ہوتا ہے اور زمانے کے ساتھ بدلنے والا ایک سماجی معاہدہ ہے۔ اسی طرح سیکولر فکر میں اخلاقیات کا ماخذ "عقلِ انسانی" اور "افادیت" (Utilitarianism) ہے، جبکہ اسلامی فکر میں "وحی" کو حتمی اخلاقی و قانونی اتھارٹی حاصل ہے۔ چنانچہ جہاں سیکولرزم مذہب کو نجی دائرے میں محدود کرتا ہے، وہیں اسلام مذہب کو اجتماعی زندگی کا بنیادی منبع اور رہنماء قرار دیتا ہے۔

ب) ممکنہ مفاہمت کے زاویے: عملی اشتراک

اگرچہ دونوں نظام اپنے بنیادی علمیاتی (Epistemological) مقدمات میں مختلف ہیں، تاہم چند عملی اور انتظامی پہلو ایسے ہیں جہاں "جزوی ہم آہنگی" ممکن دکھائی دیتی ہے بشرطِ یہ کہ اسلامی ریاست کی مذہبی اساس کو مجروح نہ کیا جائے:

- **ادارہ جاتی نظم اور احتساب:**

اسلام میں حکمران مطلق العنان نہیں ہوتا بلکہ وہ قانون (شریعت) کے تابع ہے۔ اسلامی اصولِ شوریٰ، آزاد عدلیہ (قضاء) اور بیت المال کا تصور

شفافیت اور جواب دہی کے مغربی ادارہ جاتی نظام سے کافی حد تک ہم آہنگ ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق:

"عہدِ نبوی ﷺ میں تحریری آئین (میثاقِ مدینہ) کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام ایک دستوری نظم کا قائل ہے"۔[22]

- **قانون کی مساوی اطلاقیت:**

اسلام میں عدل کا تقاضا ہے کہ "حاکم و محکوم قانون کی نظر میں برابر" ہوں۔ حضرت عمرؓ کا قاضی کے سامنے پیش ہونا اس کی تاریخی مثال ہے۔ یہ اصول جدید سیکولر قانون کی "مساوات" سے مشابہت رکھتا ہے، اگرچہ دونوں کے ماخذ الگ ہیں۔

- **اجتہاد اور عقلی استدلال:**

اسلام عقل کو وحی کے تابع مگر ایک انتہائی "فعال" حیثیت دیتا ہے۔ فضل الرحمٰن کے مطابق:

"معاصر مسائل میں "اجتہاد" ایک ایسا فکری پل بن سکتا ہے جو مذہب اور جدیدیت کے درمیان ربط پیدا کرے۔ اگر پارلیمنٹ کو "اجتماعی اجتہاد" کا ادارہ بنادیا جائے تو یہ جمہوری عمل بھی ہوگا اور اسلامی روح کے مطابق بھی"۔[23]

یہ مفاہمت فکری سطح پر نہیں بلکہ عملی یا ادارہ جاتی سطح پر ممکن ہے، جہاں مقاصدِ شریعت (مثلاً جان، مال، عقل اور عزت کا تحفظ) اور جدید ریاست کے فلاحی مقاصد ایک مشترک بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

اسلامی سیکولرزم" کے دعوؤں کا تنقیدی جائزہ

گزشتہ چند دہائیوں میں بعض جدیدیت پسند مسلم مفکرین، خاص طور پر ایرانی فلسفی عبدالکریم سروش، مصری سکالر نصر حامد ابوزید، اور خالد ابوالفضل نے "اسلامی سیکولرزم" یا "اسلامی جمہوریت" جیسے تصورات پیش کیے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اسلام بنیادی طور پر ایک "ایمانی اور اخلاقی" پیغام ہے، کوئی سیاسی ڈھانچہ نہیں۔ لہٰذا، مذہب اپنی روح میں باقی رہنا چاہیے جبکہ ریاست کا نظام سیکولر (غیر مذہبی) بنیادوں پر چلنا چاہیے تاکہ مذہب کو سیاسی آلودگی سے بچایا جاسکے۔ سروش کہتے ہیں کہ:

"مقدس قانون کی تشریح انسانی ہے، لہٰذا وہ مقدس نہیں رہتی۔"[24]

تاہم روایتی اور معاصر اسلامی سکالرز (جیسے مودودی اور سید حسین نصر) کے مطابق یہ موقف اسلام کی "جامعیت" اور الٰہی شریعت کے اصولِ حاکمیت سے متصادم ہے۔ سید حسین نصر اس پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Islamic secularism is a contradiction in terms, for Islam is based upon the Unity (Tawhid) which does not allow the separation of the spiritual and the temporal[25]".

"اسلامی سیکولرزم ایک تضاد فی الاصطلاح ہے، کیونکہ اسلام کی بنیاد توحید پر ہے جو روحانی اور دنیاوی امور کی علیحدگی کی اجازت نہیں دیتی"۔

چنانچہ "اسلامی سیکولرزم" کی اصطلاح علمی لحاظ سے ایک شدید کشمکش کا شکار ہے؛ یہ مفاہمت کی نہیں بلکہ تنسیخ کی تجویز معلوم ہوتی ہے، جس میں مذہب کا اجتماعی کردار بتدریج ختم ہو جاتا ہے۔

کیس اسٹڈیز اور مفاہمت کے نئے راستے

اب تک میں نے اسلام اور سیکولرزم کے درمیان کشمکش کا جائزہ نظریاتی (Theoretical) سطح پر لیا ہے۔ تاہم، ایک محقق کے لیے یہ دیکھنا ناگزیر ہے کہ جب یہ نظریات کتابوں سے نکل کر "ریاست" کے ایوانوں میں پہنچے، تو وہاں کیا صورتحال پیش آئی؟ کیا مسلم دنیا نے سیکولرزم کو جوں کا توں قبول کر لیا، یا وہاں کوئی نیا "کیمیکل ری ایکشن" ہوا؟ اس ضمن میں دو اہم ترین ماڈلز (ترکی اور پاکستان) کا تقابلی جائزہ لیا جائے گا اور پھر عرب دنیا میں ابھرنے والے "سول اسٹیٹ" کے نئے تصور پر بحث کی جائے گی۔

ترکی اور پاکستان: سیکولرزم کے دو متضاد تجربات

مسلم دنیا میں ریاست اور مذہب کے تعلق کو سمجھنے کے لیے ترکی اور پاکستان دو کلاسک مثالیں ہیں، جنہوں نے بالکل مختلف راستے اختیار کیے۔

الف) ترکی: جارحانہ سیکولرزم (Assertive Secularism)

خلافتِ عثمانیہ کے مرکز ترکی نے 1923ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک کی قیادت میں جو راستہ چنا، وہ "فرانسیسی سیکولرزم" (Laïcité) کا تجربہ تھا۔ اسے سیاسیات کی اصطلاح میں "جارحانہ سیکولرزم" کہا جاتا ہے۔ اس ماڈل میں ریاست مذہب سے صرف الگ نہیں ہوئی، بلکہ ریاست نے مذہب کو کنٹرول کرنے اور اسے عوامی زندگی سے بے دخل کرنے کی کوشش کی۔ عربی اذان پر پابندی، مذہبی لباس (حجاب / عمامہ) کا خاتمہ اور خطبہ جمعہ کا سرکاری کنٹرول اس کی مثالیں تھیں۔ ترکی کے اس تجربے نے ثابت کیا کہ اگر مسلم معاشرے میں سیکولرزم کو جبر کے ذریعے نافذ کیا جائے تو ردِ عمل میں "سیاسی اسلام" (جیسے ایردوان کی پارٹی) زیادہ طاقتور ہو کر ابھرتا ہے۔[26]

ب) پاکستان: غیر فعال سیکولرزم اور ہائبرڈ ماڈل

اس کے برعکس پاکستان کا معاملہ انتہائی دلچسپ اور پیچیدہ رہا۔ پاکستان مذہب کے نام پر وجود میں آیا، لیکن اس کا انتظامی ڈھانچہ برطانوی سیکولر قانون کا وارث تھا۔ یہاں ترکی کی طرح مذہب کو دیس نکالا نہیں دیا گیا، بلکہ ایک "توفیقی" رویہ اختیار کیا گیا۔ 1973ء کے آئین میں "قراردادِ مقاصد" کو شامل کر کے یہ طے کیا گیا کہ

حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کی ہے، لیکن ساتھ ہی جدید جمہوری پارلیمنٹ کو قانون سازی کا اختیار بھی دیا گیا۔ Farahnaz, Ispahani, کے بقول:

" پاکستان جیسی ریاستیں "غیر فعال سیکولرزم" (Passive Secularism) اور اسلام کے درمیان جھول رہی ہیں۔ یہاں ریاست کا کوئی مذہب نہیں ہوتا (بطور ادارہ)، لیکن ریاست قوانین بناتے وقت اسلامی جذبات کا لحاظ رکھنے کی پابند ہے۔ یہ "ہائبرڈ ماڈل" آج بھی ایک کشمکش کا شکار ہے کہ پارلیمنٹ سپریم ہے یا شریعت کورٹ؟"۔[27]

"الدولۃ المدنیۃ"(The Civil State): مفاہمت کا نیا راستہ

اکیسویں صدی، بالخصوص "عرب بہار" (2011ء) کے بعد، اسلامی سیاسی فکر میں ایک انقلابی تبدیلی آئی ہے۔ روایتی اسلام پسندوں نے "اسلامی ریاست" (جو تھیوکریسی کا تاثر دیتی تھی) اور "سیکولر ریاست" (جو لادینیت کا تاثر دیتی تھی) کی اصطلاحات کو چھوڑ کر ایک تیسری اصطلاح اپنائی ہے: "الدولۃ المدنیۃ" (سول اسٹیٹ)۔ نظریہ کیا ہے؟

اس نظریے کے سب سے بڑے داعی تیونس کے مفکر اور سیاستدان راشد الغنوشی ہیں۔ ان کا استدلال ہے کہ:

"ہمیں ایسی ریاست درکار ہے جو نہ تو ملائیت (Rule of Clerics) ہو اور نہ ہی مذہب بیزار سیکولرزم۔ ہمیں ایک 'سول اسٹیٹ' چاہیے جس کی بنیاد شہریت (Citizenship) پر ہو، لیکن جس کی روح اور اقدار اسلامی ہوں۔ مدینہ منورہ میں رسول اکرم ﷺ کی قائم کردہ ریاست ایک "سول کنٹریکٹ" (میثاقِ مدینہ) پر مبنی تھی، جس میں یہودی اور مشرک بھی برابر کے شہری (امت) تھے۔ لہٰذا جدید جمہوریت، جس میں قانون کی حکمرانی اور عوام کا انتخاب ہو، وہ اسلام سے متصادم نہیں بلکہ عینِ اسلام ہے۔[28]

یہ نظریہ دراصل سیکولرزم اور اسلام کے درمیان "تاریخی صلح" کی ایک کوشش ہے، جہاں ریاست کا ڈھانچہ جدید ہو گا لیکن اس کا اخلاقی کمپاس اسلام ہو گا۔

پوسٹ اسلامزم (Post-Islamism): نعروں سے عمل تک

اس بحث کا ایک اور اہم پہلو وہ ہے جسے مشہور عمرانیات دان آصف بیات (Asef Bayat) نے "پوسٹ اسلام ازم" کا نام دیا ہے۔

یہ اصطلاح بتاتی ہے کہ اسلامی تحریکیں اب اپنے ارتقائی عمل سے گزر کر اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ محض "اسلام ہی حل ہے" کا نعرہ کافی نہیں، بلکہ انہیں عملی دنیا میں حقوق، آزادی اور جمہوریت کو اپنانا ہو گا۔ پوسٹ

اسلامزم کا مطلب اسلام کو چھوڑنا نہیں، بلکہ اسلام کو ایک ریاستی پروجیکٹ کی بجائے ایک "سماجی اور اخلاقی قوت" کے طور پر منوانا ہے۔ اس سوچ کے تحت، اب اسلامی پارٹیاں سیکولر پارٹیوں کے ساتھ اتحاد بھی کرتی ہیں اور خواتین کے حقوق اور جمہوریت کی بات بھی کرتی ہیں، جو کہ روایتی سیکولرزم اور اسلام کے تضاد کو کم کرنے کی ایک عملی صورت ہے۔[29]

لہٰذا ان عملی مثالوں اور جدید نظریات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ:

- ترکی کا سیکولرزم اور پاکستان کا ہائبرڈ ماڈل یہ بتاتے ہیں کہ مسلم دنیا میں کوئی ایک "فکسڈ" سیاسی نظام نہیں ہے۔ ہر معاشرہ اپنے حالات کے مطابق راستہ تراش رہا ہے۔
- "سول اسٹیٹ" اور "پوسٹ اسلامزم" جیسے تصورات یہ امید دلاتے ہیں کہ مستقبل میں اسلام اور جمہوریت کے درمیان خلیج کم ہو گی۔
- مسلم مفکرین اب "فقہی جزئیات" میں الجھنے کی بجائے "مقاصدِ شریعت" (انصاف، آزادی، فلاح) کی بنیاد پر جدید ریاست کے ساتھ مفاہمت کر رہے ہیں۔

اسلامی سیاسی فکر اور سیکولرزم: عصرِ حاضر کے تیکھے سوالات

جدید دنیا میں سیکولرزم محض ایک ریاستی بندوبست کا نام نہیں رہا، بلکہ یہ ایک "عالمی کلچر" بن چکا ہے جس کی پشت پر اقوامِ متحدہ (UN) کے چارٹر اور بین الاقوامی قوانین کھڑے ہیں۔ آج اسلامی سیاسی فکر کو سب سے بڑا چیلنج ریاست کے اندر سے نہیں، بلکہ عالمی اداروں اور انسانی حقوق کی تنظیموں کی طرف سے درپیش ہے۔ اس باب میں ان "حساس ترین اعصاب" کو چھیڑا جائے گا جہاں اسلام اور جدید سیکولر اقدار براہِ راست ٹکراتے ہیں۔

آفاقی انسانی حقوق بمقابلہ اسلامی فرائض: تصادم کی نوعیت

سیکولر لبرل ازم کا سب سے مقدس صحیفۃ "انسانی حقوق کا عالمی منشور" (UDHR - 1948) ہے۔ یہ منشور انسان کو کائنات کا مرکز مانتا ہے اور اسے مذہب تبدیل کرنے، شادی کرنے اور اظہارِ رائے کی مطلق آزادی دیتا ہے۔ یہاں اسلامی فکر کے ساتھ ایک پیچیدہ علمیاتی ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے:

- <u>**سیکولرزم:**</u> حقوق کا ماخذ "انسان کی ذات" ہے۔ (حقوق پہلے ہیں، فرائض بعد میں)۔
- <u>**اسلام:**</u> حقوق کا ماخذ "خدا کی شریعت" ہے۔ (حقوق اللہ اور حقوق العباد)۔

مغربی تنقید نگاروں، جیسے این الزبتھ مائر (Ann Elizabeth Mayer)، کا کہنا ہے کہ:

"اسلامی ممالک نے جب "قاہرہ ڈیکلریشن" (UIDHR) پیش کیا تو انہوں نے تمام حقوق کو "شریعت سے مشروط" کر دیا، جو کہ سیکولر نقطہ نظر سے حقوق کی نفی ہے"۔[30]

تاہم، جدید مسلم مفکرین (جیسے عبد اللہی النعم) استدلال کرتے ہیں کہ سیکولرزم کا انسانی حقوق کا تصور "مغربی ثقافتی بالادستی" ہے، اور اسلام انسانی وقار اپنا ایک مضبوط تصور رکھتا ہے جو مغرب سے مختلف مگر مساوی ہے۔

صنفی مساوات اور "اسلامی نسائیت"

یہ اس وقت اسلام اور سیکولرزم کے درمیان سب سے گرم محاذ ہے۔ سیکولرزم مرد اور عورت کے درمیان "مطلق مساوات" کا قائل ہے، جہاں وراثت، گواہی اور قیادت میں جنس کی بنیاد پر کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ روایتی فقہ میں مرد کو "قوام" (سرپرست) کا درجہ حاصل ہے، جسے سیکولرزم "پدرشاہی" (Patriarchy) قرار دے کر مسترد کرتا ہے۔ اس ٹکراؤ کے نتیجے میں ایک نیا فکری مکتبہ فکر ابھرا ہے جسے "اسلامی فیمنزم" (Islamic Feminism) کہا جاتا ہے۔ اس کی نمائندہ سکالرز، جیسے آمنہ ودود اور عاصمہ برلاس، کا کہنا ہے کہ:

" قرآن خود مرد کی برتری کا قائل نہیں، بلکہ یہ بعد کے مفسرین کی "مردانہ تشریح" تھی۔ یہ مفکرین سیکولرزم کے "مساوات" کے نعرے کو قبول کرتی ہیں لیکن اس کے لیے دلیل قرآن سے لاتی ہیں۔ یہ اسلام اور سیکولر اقدار کے درمیان مفاہمت کی ایک انوکھی کوشش ہے۔[31]

عالمگیریت اور امت کا تصور: نیشن اسٹیٹ سے آگے

سیکولرزم نے دنیا کو "قومی ریاستوں" میں تقسیم کیا ہے، جہاں وفاداری کا مرکز "وطن" ہے۔ اسلام کا تصور "امت" کا ہے، جو سرحدوں سے ماوراء ہے۔

آج کا مسلمان ایک عجیب دوچتی کا شکار ہے: کیا وہ پہلے "فرانسیسی / پاکستانی" ہے یا پہلے "مسلم"؟

مشہور مفکر طارق رمضان نے اس گتھی کو سلجھانے کے لیے "یورپین اسلام" کا تصور پیش کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ:

"ایک مسلمان سیکولر ریاست کا وفادار شہری رہ سکتا ہے، بشرطیکہ وہ ریاست اسے اپنے دینی شعائر ادا کرنے سے نہ روکے۔ ان کے مطابق، سیکولرزم کو مذہب دشمن نہیں ہونا چاہیے، اور مسلمان کو الگ تھلگ نہیں رہنا چاہیے"۔[32]

مندرجہ بالا گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ:

- ان جدید مباحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اور سیکولرزم کی جنگ اب پارلیمنٹ سے نکل کر "سماجی اقدار" اور "خاندانی نظام" تک پہنچ چکی ہے۔
- اگر اسلام اپنے "عائلی قوانین" پر اصرار کرتا ہے، تو سیکولر ہیومن رائٹس سے ٹکراؤ ہوتا ہے۔

- اگر وہ مکمل سیکولر اقدار اپناتا ہے، تو قرآن کے نصوص کی تاویل کرنی پڑتی ہے۔
- یہی وہ "گرے ایریا" (Grey Area) ہے جہاں آج کا جدید مسلم ذہن بھٹک رہا ہے اور نئی تعبیرات جنم لے رہی ہیں۔

عصرِ حاضر کے مسلم معاشروں کے لیے چیلنجز

اس نظریاتی بحث کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ مسلم معاشرے آج تین بڑے چیلنجز کا شکار ہیں:

- جدید قومی ریاستوں نے قانون سازی کے اختیارات کو پارلیمان تک محدود کر دیا ہے، جس سے روایتی فقہاء اور مفتیان کی اتھارٹی کمزور ہوئی ہے۔ اس صورت میں سوال یہ ہے کہ شریعت کا نفاذ کیسے ممکن ہو؟ کیا 51 فیصد کی اکثریت حرام کو حلال کر سکتی ہے؟
- اسلامی "شوریٰ" کا اصول جمہوریت سے مماثلت رکھتا ہے، مگر اس کی اخلاقی سرحدیں مختلف ہیں۔ سیکولر جمہوریت میں "عوام کی خواہش" ہی قانون ہے، جبکہ اسلام میں عوام کی خواہش "اخلاقی حدود" کی پابند ہے۔ چنانچہ محض اکثریت کی بنیاد پر قانون سازی اسلام کے عدل کے تصور سے مطابقت نہیں رکھتی۔
- جدید مسلم معاشروں میں مختلف مسالک، مذاہب، اور افکار پائے جاتے ہیں۔ اسلام اقلیتوں (ذمیوں) کے حقوق تسلیم کرتا ہے اور انہیں مذہبی آزادی دیتا ہے، مگر سیکولرزم مذہب کو ریاست کے لیے "غیر متعلق" (Irrelevant) قرار دے کر ان حقوق کو محض قانونی سطح پر دیکھتا ہے۔ مسلم ریاستوں کو ایک ایسا ماڈل درکار ہے جو تکثیریت کو اسلامی فریم ورک میں سمو سکے۔

خلاصہ تحقیق

اسلامی سیاسی فکر اور سیکولرزم کے درمیان تعلق کا یہ تفصیلی اور تجزیاتی مطالعہ ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتا ہے کہ یہ معاملہ محض "سیاسی اقتدار" کی رسہ کشی نہیں، بلکہ یہ "حقیقت کے ادراک" کا اختلاف ہے۔ ہماری تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ اسلام اور سیکولرزم کے درمیان "وجودیت" اور "علمیت" کی سطح پر مفاہمت ناممکن ہے، کیونکہ ایک کا مرکز "وحی" ہے اور دوسرے کا مرکز "خود مختار عقل"۔ تاہم، "سیاسی فعالیت" کی سطح پر دونوں میں اشتراک کے وسیع امکانات موجود ہیں۔ آج کی مسلم دنیا کو نہ تو ترکی کے "جارحانہ سیکولرزم" کی ضرورت ہے جو مذہب کو کچل دے، اور نہ ہی کسی ایسی "تھوکریسی" کی جو عقل اور اجتہاد کا دروازہ بند کر دے۔ عصرِ حاضر کا تقاضا "اسلامی آئینیت" (Islamic Constitutionalism) ہے۔ یہ ایک ایسا ماڈل ہے جہاں:

- حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کی ہو۔

- انتظامی ڈھانچہ جدید جمہوری اصولوں (شفافیت، ووٹ، انسانی حقوق) پر استوار ہو۔
- اور مقاصدِ شریعت (عدل، فلاح، آزادی) کو قانون سازی کی بنیاد بنایا جائے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام اور سیکولرزم کا مستقبل "تصادم" میں نہیں، بلکہ ایک محتاط اور تنقیدی "مکالمے" میں مضمر ہے، جس کا مقصد ایک ایسی "سول اسٹیٹ" کا قیام ہو جہاں ایک مسلمان اپنی روحانی شناخت کھوئے بغیر جدید دنیا کا باعزت شہری بن سکے۔

نتائجِ تحقیق

اس تحقیق سے درج ذیل حتمی نتائج سامنے آتے ہیں:

- اسلامی سیاسی فکر اور سیکولرزم اپنے وجودی اور معرفتی ماخذ میں ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ ایک کا مرکز "وحی" ہے اور دوسرے کا "عقلِ محض"۔
- دونوں نظاموں میں عملی سطح پر اشتراک ممکن ہے، مثلاً قانون کی عملداری، عدل، شفافیت اور عوامی مشاورت۔ ان اقدار کو اپنانے کے لیے مسلمانوں کو سیکولر ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ ان کی اپنی گمشدہ میراث ہیں۔
- "اسلامی سیکولرزم" جیسا نظریہ اپنے تضادات کے باعث پائیدار علمی بنیاد نہیں رکھتا۔ اس کے برعکس "اسلامی آئینیت" (Islamic Constitutionalism) کا تصور زیادہ قابلِ عمل ہے جو جدید ریاستی مشینری کو اسلامی اخلاقیات کے تابع کرتا ہے۔

سفارشات

- مسلم جامعات میں سیاسیات کی تعلیم میں تقابلی فلسفہ (Comparative Political Thought) کو شامل کیا جائے تاکہ طلبہ اسلام اور جدید مغربی فکر کا شعوری اور تنقیدی موازنہ کر سکیں۔
- مسلم ریاستوں میں قانون سازی کا عمل محض فقہی جزئیات کی بجائے "مقاصدِ شریعت" (فلاحِ عامہ) پر مبنی ہونا چاہیے، تاکہ جدید دور کے پیچیدہ مسائل (جیسے بائیو ایتھکس، سائبر لا) کا حل نکالا جا سکے۔
- مسلم ممالک کو اپنے داخلی تضادات ختم کرنے کے لیے ایک "نئے عمرانی معاہدے" کی ضرورت ہے جو مذہب کو ریاست سے بے دخل نہ کرے، بلکہ مذہب کی ایسی تعبیر پیش کرے جو جمہوری اقدار، رواداری اور ترقی کی ضامن ہو۔
- مستقبل کی اسلامی سیاسی فکر کا اصل چیلنج یہ ہے کہ وہ وحی اور عقل کے درمیان وہ توازن دوبارہ دریافت کرے جو قرونِ اولیٰ میں موجود تھا، تاکہ نہ تو مذہب جمود کا شکار ہو، اور نہ ہی سیاست خدا سے بے گانہ ہو۔

مصادر و مراجع

[1] البقرہ:30

[2] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1963)، 132

[3] الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد، الأحكام السلطانية والولايات الدينية، (القاهرة: دار الحديث، 2006)، 15

[4] ابن خلدون، عبد الرحمن، مقدمہ ابن خلدون، ترجمہ مولانا راغب رحمانی، (کراچی: نفیس اکیڈمی، 2003)، 1:385

[5] Iqbal, Muhammad, The Reconstruction of Religious Thought in Islam, (Lahore: Institute of Islamic Culture, 1986), 126

[6] Locke, John, A Letter Concerning Toleration, (Huddersfield: J. Brook, 1796), 13

[7] Taylor, Charles, A Secular Age, (Cambridge, MA: Harvard University Press, 2007), 3

[8] یوسف:40

[9] Rahman, Fazlur, Islam and Modernity, (Chicago: University of Chicago Press, 1982), 13

[10] Maududi, Abul A‘la, Islamic Law and Constitution, (Lahore: Islamic Publications, 1960), 25

[11] Taylor, Charles, Sources of the Self: The Making of the Modern Identity, (Cambridge, MA: Harvard University Press, 1989), 187

[12] محمد اسد، اسلام اٹ دا کراس روڈز، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 1961)، 67

[13] الشوریٰ:38

[14] المِسری، محمد طاہر، الشوریٰ فی الاسلام، (بیروت: دار الفکر العربی، 1990)، 91

[15] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، (لاہور: ترجمان القرآن، 1963)، 22

[16] اقبال، محمد، تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1958)، 45

[17] Shariati, Ali, On the Sociology of Islam, trans. Hamid Algar, (Berkeley: Mizan Press, 1979), 31

[18] الترابي، حسن، تجديد الفكر الإسلامي، (بيروت: دار الساقي، 1992)، 18

[19] یوسف:40

[20] مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی ریاست، (لاہور: ترجمان القرآن، 1963)، 45

[21] Rawls, John, Political Liberalism, (New York: Columbia University Press, 1993), 220.

[22] حمید اللہ، محمد، اسلام کا نظامِ سیاست و حکومت، (کراچی: مکتبہ معارفِ اسلامی، 1970)، 66

[23] Rahman, Fazlur, Islam and Modernity, (Chicago: University of Chicago Press, 1982), 45

[24] Soroush, Abdulkarim, Reason, Freedom, and Democracy in Islam, (New York: Oxford University Press, 2000), 89

[25] Nasr, Seyyed Hossein, Knowledge and the Sacred, (Albany: SUNY Press, 1989), 211

[26] Kuru, Ahmet T., Secularism and State Policies toward Religion: The United States, France, and Turkey, (Cambridge: Cambridge University Press, 2009), 11-15

[27] Ispahani, Farahnaz, Purifying the Land of the Pure: Pakistan's Religious Minorities, (New York: HarperCollins, 2017), 45-48

[28] Ghannouchi, Rached, "From Political Islam to Muslim Democracy," Foreign Affairs 95, no. 5 (2016): 58

[29] Bayat, Asef, Making Islam Democratic: Social Movements and the Post-Islamist Turn, (Stanford: Stanford University Press, 2007), 10-12

[30] Mayer, Ann Elizabeth, Islam and Human Rights: Tradition and Politics, (Boulder, CO: Westview Press, 2012), 65-68

[31] Barlas, Asma, "Believing Women" in Islam: Unreading Patriarchal Interpretations of the Qur'an, (Austin: University of Texas Press, 2002), 15-18

[32] Ramadan, Tariq, Western Muslims and the Future of Islam, (Oxford: Oxford University Press, 2004), 112-115

- ابن خلدون، عبد الرحمن۔ مقدمہ ابن خلدون۔ ترجمہ مولانا راغب رحمانی۔ کراچی: نفیس اکیڈمی، 2003۔
- الترابی، حسن۔ تجدید الفکر الإسلامي۔ بیروت: دار الساقی، 1992۔
- الماوردي، أبو الحسن علي بن محمد۔ الأحکام السلطانیة والولایات الدینیة۔ قاہرہ: دار الحدیث، 2006۔
- المِسری، محمد طاہر۔ الشوریٰ فی الاسلام۔ بیروت: دار الفکر العربی، 1990۔
- حمید اللہ، محمد۔ اسلام کا نظامِ سیاست و حکومت۔ کراچی: مکتبہ معارفِ اسلامی، 1970۔
- شریعتی، علی۔ اسلام شناسی۔ ترجمہ سجاد رضوی۔ لاہور: المیزان پبلشرز، 2005۔
- قطب، سید۔ معالم فی الطریق۔ قاہرہ: دار الشروق، 1964۔
- محمد اسد۔ اسلام اٹ دا کراس روڈز (اردو ترجمہ)۔ لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، 1961۔
- مودودی، سید ابو الاعلیٰ۔ اسلامی ریاست۔ لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 1963۔
- مودودی، سید ابو الاعلیٰ۔ خلافت و ملوکیت۔ لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، 1966۔
- Barlas, Asma. "Believing Women" in Islam: Unreading Patriarchal Interpretations of the Qur'an. Austin: University of Texas Press, 2002.
- Bayat, Asef. Making Islam Democratic: Social Movements and the Post-Islamist Turn. Stanford: Stanford University Press, 2007.
- Ghannouchi, Rached. "From Political Islam to Muslim Democracy." Foreign Affairs 95, no. 5 (2016): 58-75.
- Hallaq, Wael B. The Impossible State: Islam, Politics, and Modernity's Moral Predicament. New York: Columbia University Press, 2013.

- Iqbal, Muhammad. The Reconstruction of Religious Thought in Islam. Lahore: Institute of Islamic Culture, 1986.
- Kuru, Ahmet T. Secularism and State Policies toward Religion: The United States, France, and Turkey. Cambridge: Cambridge University Press, 2009.
- Locke, John. A Letter Concerning Toleration. Indianapolis: Hackett Publishing, 1983.
- Mayer, Ann Elizabeth. Islam and Human Rights: Tradition and Politics. Boulder, CO: Westview Press, 2012.
- Nasr, Seyyed Hossein. Islam and the Plight of Modern Man. London: Allen and Unwin, 1975.
- Rahman, Fazlur. Islam and Modernity: Transformation of an Intellectual Tradition. Chicago: University of Chicago Press, 1982.
- Rawls, John. Political Liberalism. New York: Columbia University Press, 1993.
- Taylor, Charles. A Secular Age. Cambridge, MA: Harvard University Press, 2007.